**محمد سہیل اقبال**

پی ایچ۔ڈی سکالر (شعبہ اُردو)

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

**ڈاکٹر حمیرا اشفاق**

اسسٹنٹ پروفیسر (شعبہ اُردو)

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

# اُردو ناول: ۹/۱۱، میڈیا اور اثرات

**Abstract:**
The objective of the article in hand is to critically and textually analyse the selected Urdu novels with a view to explore and explain the effects of the catastrophic event of 9/11. The accident of 9/11 revolutionized world politics. The media coverage of the unlucky airplanes smashing into the towering World Trade Center was the threshold of the change which could be intensely noticed in the changing trends on the media. The post 9/11 Media frequently portrayed the third world, grappling with problems, especially the attack on Iraq and Afghanistan, ruthless bombing, sectarianism, events of kidnapping, target killings, hatred for the Muslims residing in the West, ubiquitous uncertainty, targeted operations, and the issues like those of the missing persons. Urdu novel written after the accident of 9/11 encompassed the mentioned aftermaths. The textual citations in the article indicate how comprehensively the Urdu novel has put the whole accident itself and the aftereffects into a nutshell.

عصرِ حاضر میں ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری کی بدولت دنیا ایک گاؤں (Global Village) کی مانند ہے۔ دنیا میں ہونے والے تمام چھوٹے بڑے واقعات کی خبریں میڈیا کے ذریعے ہی عوام اور دوسری دنیا تک پہنچائی جاتی ہیں۔ جھوٹے سچے واقعات ہوں یا نسلی تعصب، زلزلے، سیلاب، آندھی طوفان، قحط، لوگوں کی ہلاکت، انسانوں کو زندہ درگور کرنے کی سازشیں، عالمی حکمران طبقہ کے عوامی پروپیگنڈہ اور سیاسی شعبدہ بازی، عالمی سیاسی منظر نامہ، سیاسی عالمی مخفی حقائق، امریکہ کے سیاسی سماجی اور پس پردہ مخفی معاشی حقائق، ممالک کے سفارتی تعلقات کی خبریں یا

پاکستان میں بم دھماکوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، سری لنکن ٹیم پر خود کش حملہ، کالج، یونیورسٹیوں پر بم دھماکے، سوات، دیر میں پاکستانی فوج کے آپریشنز، طالبان کے حملے اور مذاکرات، نیوزی لینڈ کی ایک مسجد میں خود کش حملہ اور نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم جیسنڈا آرڈرن (New Zealand Prime minister: Jacinda Ardern) کا مثبت اور قابل ستائش بیان:

"We are not immune to the viruses of hate, of fear of other. We can be the nation that discovers the cure".

کا چرچہ ہو یا امریکی پولیس کے ہاتھوں ایک سیاہ فام جارج کی ہلاکت اور پھر سانحہ نائن الیون کے اندوہناک واقعہ کی صورت گری کا تذکرہ سب میڈیا کے ذریعے ہی دکھایا اور سنایا جاتا ہے۔ ان واقعات کے بعد Hyper Reality کا استعمال ذہنوں کو کنٹرول کرنے کی مؤثر ترغیب ہے جو "جھوٹ بولے کوا کاٹے، کالے کوے سے بچیو" کے مصداق ہے۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کی صبح مین ہٹن میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جڑواں ٹاورز کو دو بڑے ہوائی جہازوں سے ٹکرا کر چند منٹوں میں زمین بوس کر دیے جس سے امریکہ میں ایک قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔ نیویارک شہر میں لوگوں کی چیخ وپکار آسمان تک رسائی کر رہی تھی، لوگ دیوانوں کی مانند بھاگ رہے تھے۔ ایسے لگتا جیسے ہالی وُوڈ کی کسی فلم کے ہیبت ناک مناظر کی عکس بندی کی جارہی ہے۔ لوگ آگ سے بچنے کی خاطر ۱۰۲ منزلہ عمارت سے چھلانگ لگا رہے تھے جن میں سے ایک کو "فالنگ مین" کا نام دیا گیا۔ اس وقت تیس ہزار کے قریب لوگ بلڈنگ کے اندر موجود تھے۔ بلڈنگ میں موجود کرسیاں، سٹیل اور لوہے کا چورا بن گیا۔ نیچے زندہ بچ جانے والے لوگ سفید اور کالے دھوئیں اور دھول میں اٹے ہوئے، ننگے پاؤں اور چہرے پر بلا کی ہیبت ناکی کے رنگ کے ساتھ انجان راستوں کی طرف بھاگے چلے جارہے تھے جیسے مردے صور پھونکے جانے کی آواز سن کر اٹھ کھڑے ہوں۔ ان مناظر کو دیکھنے کے لیے سب ٹی وی کے سامنے ایک بت کی مانند جمے بیٹھے رہے۔ ٹی وی پر اس قیامت خیز فتنے کو بار بار دکھایا جارہا تھا جیسے ہر پل نئے نئے سانحات ہونے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا ہو۔ ٹاورز سے جہازوں کے ٹکرانے کے مناظر جس انداز سے ٹی وی سکرین پر دکھائے گئے اس کی صورت گری مستنصر حسین تارڑ کے ناول "خس و خاشاک زمانے" میں ان الفاظ میں کی ہے:

''ٹیلی ویژن پر اُس امریکی کربلا کا ایک ایک لمحہ ہزاروں بار دوہرایا جارہا تھا اور یہ باور کرایا جارہا تھا کہ صرف دو نہیں، ہزاروں ٹریڈ ٹاورز منہدم ہو رہے ہیں یہ مناظر اسی تواتر سے اتنی بار سکرین پر دکھائے گئے کہ ہر امریکی کے بدن پر تصویروں کی صورت ثبت ہوگئے اُن کے ذہنوں پر ایک ٹیٹو کی مانند گندھے گئے''۔ (۱)

اس فتنے کو جس طرح اور جس انداز سے امریکی ٹی وی پر دکھایا گیا اس میں بھی ایک خاص پلاننگ محسوس ہوتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کیمرہ مین کو اس ساری تباہی کا پہلے سے علم تھا۔ اس لیے امریکی ٹی وی پر لوگوں کا خوف سے بھاگتے ہوئے ایسے ایسے مناظر دکھائے ہیں جن کو دیکھ کر انسانی روح کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دور سڑکوں پر کھڑے لوگوں کے منہ سے یک دم ''اومائی گاڈ'' کے الفاظ جاری تھے۔ ایک دوسرے کو ایک وہمے کی کیفیت سے تکے جارہے تھے۔ ان کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ امریکہ کو کوئی کیسے ہلا سکتا ہے۔ امریکہ کہ اندر یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ دیکھنے والوں کو صرف دھواں اور دھول کے کچھ نظر نہ آتا۔ قریب لوگ خوف اور ہیبت سے بھاگتے ہوئے بھوت نظر آتے۔ ابھی کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ اتنے میں ایک اور طیارہ عمارت کے اندر پیوست ہو گیا۔ امریکی میڈیا، بی بی سی اور سی این این والوں نے اس قیامت کو پروپیگنڈہ کی ایسی تکنیک کے ساتھ کیمرہ میں سمویا کہ ہالی وُوڈ اور بالی وُوڈ والوں کو بھی ان کیمرہ مین والوں پر رشک آیا ہوگا۔ امریکی اور یورپی میڈیا کی فلمائی ہوئی منظر نگاری ''خس و خاشاک زمانے'' میں بھی ایسی ہی مہارت سے سموئی گئی ہے:

''مخروطی زرد رنگ کی آہنی ٹوپیاں پہنے۔۔۔ ایک اضطراب کی حالت میں نیویارک فائر بریگیڈ کے فائرمین اپنے خوف کو ڈھانپنے کے لیے بلند آوازوں میں ایک دوسرے کو پکارتے ڈھارس دیتے ٹریڈ سنٹر کی اس عمارت کی جانب بڑھتے جس کے دل میں ابھی ابھی ایک جیٹ طیارہ پیوست ہوا تھا اور وہ اُس کے دھچکے کی شدت سے اپنے قدموں پر گرتی جاتی تھی۔۔۔ اُن کی بے یقین آنکھوں کے سامنے مسمار ہو رہی تھی اور اُس میں سے دھول کا ایک غبار اٹھ رہا تھا۔۔۔ پوری ایک سو دس منزلیں یونہی آسانی سی تنہائی میں مسمار نہیں ہوتی اُن میں مقیم ہزاروں بے گناہ لوگ بھی اُن کے ملبے کے اندر زندہ مدفون گرتے چلے جاتے ہیں اور پھر فوراً ہی غیب سے ایک اَور طیارہ نمودار ہوا اور ٹریڈ سنٹر کی دوسری جڑواں عمارت کے قلب کے اندر چلا گیا''۔ (۲)

دھول، دھواں اور آگ کے بڑے بڑے شعلوں اور دھماکوں سے ٹاورز کی ایک ایک اینٹ اپنی جگہ سی سرک گئی۔ ٹاورز کے اندر ہیبت ناک آوازیں اور گونج سنائی دی رہی تھی جو دوسرے ممالک کے لوگوں کے دلوں تک جا پہنچی، صور پھونکا جانے کی عکس بندی ہو رہی ہو، قیامت سے پہلے ہی قبریں شگاف ہو رہی ہوں۔ یورپی میڈیا کے ذمہ دار لوگ یوم حساب والے دن کی ریہرسل کر رہے ہوں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت ایک خاص تکنیک اور انداز سے

گرتی ہے۔ایسی تکنیک کے پیچھے سامراج اور سامراجی میڈیا کی برسوں پرانی حکمتِ عملی اور پلاننگ کارفرما ہوتی ہیں۔ سامراجی میڈیا کی اس پلاننگ کی عکس بندی کا اظہار ''خس وخاشاک زمانے'' میں پڑھا جاسکتا ہے:

''ہر منزل اپنے سے نیچے والی منزل پر گرتی اس پر اپنا ملبہ بوجھ کرتی تاش کی پتوں کی مانند منہدم ہوتی چلی جارہی تھی۔جس سرزمین پر آج تک کسی عمارت کی ایک اینٹ بھی نہ کھسکی تھی وہاں اُس کے وجود میں جتنی بھی اینٹیں تھیں وہ ڈھیتی جا رہی تھیں۔اور ایک ملفوف گونج انعام اللہ کے کانوں میں ایک رک جانے والے دل کی طرح دھک دھک کرتی اُترتی تھی۔۔۔ وہ دونوں ٹاور گویا روئی کی گالے تھے جو اُڑتے جارہے تھے''۔ (۳)

یہ سب امریکی میڈیا پر دکھایا جارہا تھا۔میڈیا کی موجودہ دور میں سادہ، بھولی اور معصوم امریکی شہریوں کے لیے میڈیائی پروپیگنڈہ کی چینی جیسی میٹھی پلاننگ کو سمجھنا ممکن نہیں۔جن لوگوں کو بھلا اپنے آباؤ اجداد کا نہیں پتا انہیں میڈیائی پروپیگنڈہ کی کیا سمجھ ہو سکتی ہے۔مسلم ممالک کو دہشت گرد ثابت کرنا،اسلام مذہب کو دہشت گردی کی تعلیم دینے والا مذہب قرار دینا۔اسلامی ممالک پر مغرب کی یلغار اور تہذیبوں کے تصادم جیسی اصطلاحات کو عملی شکل دینے میں میڈیا کی بالادستی کو بہت اہمیت حاصل ہے:

''میڈیا کی بالادستی بھی نئے دور کا خاصہ ہے۔اخبار،رسائل اور ٹی وی اور دیگر الیکٹرونک میڈیا ایک طرف تو عوام کو لحہ بہ لحہ نئے حالات سے آگاہ کررہا ہے اور دوسری طرف ذہنوں کو بھی بدل رہا ہے۔ایسی معلومات دے رہا ہے کہ سچائی مشتبہ ہے۔ لوگوں کو خبروں کے ذریعے اشتعال بھی دلا رہا ہے اور ان کی سوچ کو کنٹرول بھی کررہا ہے''۔ (۴)

میڈیا پر سانحہ ۹/۱۱ کی ایک ناقابل فراموش ویڈیو ہمیشہ کے لیے یورپی عوام کے ذہنوں پر ثبت کردی۔کیمرے کی آنکھ ۱۰۲ منزلہ عمارت سے لوگوں کی چھلانگ کے ایک ایک لمحے کو محفوظ کرنے میں برسرِپیکار تھی۔جیسے کسی جنگی ناول کی شوٹنگ ہو رہی ہو اور اس فلم کے تمام اداکاروں کی اداکاری قدرت کی عطا کردہ شاہکار مہارت ہو۔ ٹی وی سکرین پر ایک شخص کی قلابازیاں کھاتے ہوئے گرنے کی ویڈیو کو رچرڈ ڈریو (Richard Drew) کے کیمرہ نے محفوظ کرلیا۔ اخبار میں اس تصویر کو دیکھنے کے بعد ڈان ڈی للو (Don de Lillo)نے ''فالنگ مین'' کے عنوان سے ناول لکھ کر اس ویڈیو اور تصویر کو ہمیشہ کے لیے امر کردیا۔ میڈیا کے اس فالنگ مین (Falling Man) کے گرنے کا تذکرہ ''خس و خاشاک زمانے'' میں بھی محفوظ ہے:

''وہ کھلے آسمان کے پس منظر میں قلابازیاں کھاتا نیچے آرہا تھا۔ وہ ان دوسو کے قریب لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے مختصر کھڑکیوں میں سے بے اختیار اور اپنے اوپر گرتی موت کی دہشت میں چھلانگ لگائی تھیں اور بعد میں اُن میں سے ایک کی تصویر کو فالنگ مین کا نام دیا گیا تھا''۔ (۵)

سانحہ ۹/۱۱ کے فوراً بعد ہی دنیا بھر کے میڈیا پر سیاسی بیان بازی کا بازار گرم ہو گیا۔ امریکہ نے تمام ذمہ داری القاعدہ اور اُسامہ بن لادن پر ڈال دی۔ افغانستان نے سانحہ نائن الیون میں اُسامہ بن لادن کے ملوث ہونے کے ثبوت مانگے جو امریکہ فراہم نہ کر سکا۔ بش انتظامیہ کی طرف سے جنگی عزائم کی دھمکیاں بھی میڈیا پر تواتر سے نشر کی جا رہی تھیں۔ ساری دنیا میں اس حوالے سے سراسیمگی پھیلی ہوتی تھی کہ عالمی سیاسی منظر نامے پر تیسری دنیا کے بارے میں اب پروپیگنڈہ کی کون سی عبارت لکھنی ہے جس کا اختیار صرف اور صرف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو کرنا تھا۔ میڈیا پر اس سیاسی بیان بازی کو معمول کی نعرہ بازی ہی سمجھا گیا۔ ارون دھتی روئی لکھتی ہیں:

> ''گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد جس طرح کی سیاسی نعرہ بازی اور بیان بازی کا بازار گرم ہوا تو میرا خیال تھا کہ یہ محض احمقانہ اور خود پسندانہ نعرے بازی کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر یہ حقیقت افشاء ہو گئی کہ دراصل یہ ایک بے بنیاد اور خطرناک جنگ کے لیے راستہ ہموار کرنے کی سازش ہے۔ آئے دن مجھے اس بات پر حیرت ہوتی کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کا خیال ہے کہ افغانستان جنگ کی مخالفت کرنا، دہشت گردی یا طالبان کی حمایت کرنے کے مترادف ہے''۔ (۶)

لیکن جو کچھ امریکی اور پاکستانی میڈیا پر دکھایا اور سنایا جا رہا تھا وہ اُس وقت حقیقت میں ڈھل گیا جب امریکہ نے باقاعدہ اعلانِ جنگ کا طبل بجا یا دیا۔ لیکن اس خود ساختہ تباہی کا انتقام لینے کے لیے امریکہ کو پاکستان جیسے ملک کی ضرورت سب سی زیادہ تھی۔ اس کے لیے امریکہ نے پاکستان کے فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف کو فون پر واضح دھمکی دی۔ کرکٹ میچ کے بعد مشرف نے مسٹر دھونی سے کیا کہا عوام کو نہیں پتا لیکن امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے مشرف سے جو کہا اس کی بازگشت دنیا بھر کے میڈیا اور کتابوں میں درج ہے۔ اس دھمکی کا اظہار جنرل پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

> ''اگلی صبح جب میں گورنر ہاؤس میں ایک میٹنگ کی صدارت کر رہا تھا تو میرے ملٹری سیکرٹری نے آکر کہا کہ امریکی وزیرِ خارجہ جنرل کولن پاول (Colin Powell) ٹیلی فون پر ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں انہیں بعد میں ٹیلی فون کر لوں گا، لیکن ملٹری سیکرٹری نے اصرار کیا کہ میں میٹنگ چھوڑ کر باہر آؤں اور ٹیلی فون پر بات کروں۔ پاول نے صاف صاف کہا کہ یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف۔ میں نے اُسے ایک کھلا مطالبہ سمجھا''۔ (۷)

میڈیا نے اس کو واقعی ایک کھلا مطالبہ بنا کر پیش کیا۔ یہ سانحہ پاکستان سے دور امریکی سرزمین پر ہوا اور کوئی بھی پاکستانی شہری اِس میں ملوث نہ تھا لیکن اِس سب کے باوجود گیارہ ستمبر کے اثرات سب سے زیادہ پاکستان پر مرتب

ہوئے۔ دنیا بھر کے ٹی وی اور اخبارات میں اس دھمکی کا بڑا چرچہ ہوا۔ ''خس و خاشاک زمانے'' میں بھی اس دھمکی کو مؤثر انداز سے بیان کیا ہے:

''نصف شب کی قربت میں جب ایک کمانڈو جنرل جس کی جرأت اور شجاعت کا کچھ حساب نہ تھا، بڑبڑا کر اپنے بستر سے اٹھتا ہے اور فون اٹھا کر اپنے شب خوابی کے لباس کے پاجامے کا ازار بند تھامتا اٹھتا ہے تو اٹینشن ہو جاتا ہے، یس سر، یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں ہیں، اگر نہیں تو، وہ وِئی وِل بومب یو ٹو سٹون ایج''۔ (۸)

سانحہ ۹/۱۱ کے بعد مغربی میڈیا پر امریکہ میں مقیم پاکستانیوں سے نفرت اور تعصب کی خبروں نے بھی خوب پذیرائی حاصل کی۔ ہر جگہ مسلمانوں کو بری نظر سے دیکھا جانے لگا۔ مسلمان، شلوار قمیص، داڑھی، نماز، مسجد، اذان اور پاکستان جیسے لفظوں میں ان کے لیے گالیاں اور نفرت کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ راستوں پر آتے جاتے مسلمانوں پر تشدد کیا جاتا۔ بہت سی دکانوں پر پاکستانیوں کا داخلہ منع ہو گیا۔ متعدد مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔ امریکیوں کو ہر مسلمان اُسامہ بن لادن کا ساتھی نظر آتا، حتیٰ کہ اسی بات پر امریکیوں نے سکھوں کو بھی دھر لیا۔ ایسے محسوس ہوتا جیسے نیویارک میں کوئی آسیب آ گیا ہو۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی میں کوئی بھی پاکستانی ثابت نہ ہوا لیکن پھر بھی امریکیوں کے لیے ہر پاکستانی ایک آسیبی مخلوق محسوس ہوتا۔ اس کی روک تھام کے لیے بش انتظامیہ نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ مغربی میڈیا پر دکھائی جانے والے ان واقعات کی صورت گری کے اثرات ''خس و خاشاک زمانے'' پر واضح طور پر ثبت ہیں:

''ہمیشہ کی مانند دریائے ہڈسن کے پانیوں پر بادبانی کشتیاں آہستگی اور امن سے رواں نظر آتی تھیں لیکن اُن پانیوں کی تہہ میں نفرت اور انتقام کے اژدھے پھنکارتے تھے اور اِس پھنکار کو صرف اُن کے کان سن سکتے تھے جن کی رنگت مشرقی تھی، جن کی آنکھوں میں سیاہی تھی اور جو موزلم کہلاتے تھے۔ آنے والے دنوں میں جو کچھ ظہور پذیر ہونا تھا وہ سنٹرل پارک میں اُترتی خزاں کی ہر پتی پر درج تھا، پڑھا جا سکتا تھا''۔ (۹)

محسنہ جیلانی کا ناولٹ ''میں دہشت گرد ہوں؟'' بھی سانحہ ۹/۱۱ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ سانحہ ۹/۱۱ کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں، لوگوں کے رویے بدل گئے۔ امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کی طرح برطانیہ میں بھی تمام پاکستانیوں اور مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھا جانے لگا۔ برطانوی لوگوں میں بھی مسلمان اور پاکستانیوں کے خلاف نفرت کا لاوا پھوٹ پڑا۔ میڈیا پر ان واقعات کو دکھایا تو جاتا لیکن ان کی روک تھام پر کوئی بات نہ ہوتی۔ مسلمان مسجد جانے سے ڈرتے، مسلم عورتوں کو گھورا جاتا، ان کے حجاب کھینچے جاتے، پولیس نے بہت سے پاکستانیوں کو جیلوں میں ڈال دیا، گھر گھر تلاشی شروع ہو گئی۔ مغربی میڈیا پر ایسی خبریں اور ویڈیوز اب روز کا معمول

تھا۔اس کا سامنا زرینہ کو بھی کرنا پڑا حالانکہ جب زرینہ نے ٹی وی سکرین پر ٹریڈ سنٹر کے جڑواں ٹاوروں کو جلتے دیکھا تھا تو ان کی بھوک اڑ گئی تھی۔زرینہ کو باہر آتے جاتے وقت دہشت گرد کہا جاتا، اُن کا حجاب کھینچا جاتا۔ اسی چیز نے زرینہ کو ذہنی مریضہ بنا دیا تھا، وہ ہر روز خواب دیکھ کر ڈرتے ہوئے چیخیں مارتی۔زرینہ کی اس حالت کے بارے میں محسنہ جیلانی بیان کرتی ہیں:

''زرینہ کا کہنا تھا کہ اسی پولیس سے سخت خوف آتا ہے اور اسے ڈر لگتا ہے کہ پولیس والے اسے گولی سی اڑا دیں گے۔ کنسلٹنٹ جب بھی پوچھتا کہ وہ پولیس سے کیوں ڈرتی ہے تو وہ کہتی کہ اس لیے کہ میں مسلمان ہوں، میں حجاب پہنتی ہوں۔ وہ مجھے دہشت گرد سمجھتے ہیں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی سے اڑا دیں گے''۔ (۱۰)

اس کی بعد مستنصر حسین تارڑ کا دوسرا ناول ''قلعہ جنگی'' ہی۔جو افغانستان پر امریکی حملی اور اس کی نتیجی میں پیدا ہونی والی تباہی کا بیان ہی۔سانحہ ستمبر کی بعد امریکہ اور اس کی اتحادی بھوکی شیروں کی طرح غضب ناک ہو کر افغانستان پر چڑھ دوڑی۔افغانستان پر بموں اور میزائلوں کی برسات ہو رہی تھی جس کی نتیجی میں سارا افغانستان کھنڈر بن چکا تھا، چہری مسخ ہو چکی تھی، موت کی سیاہی نی سب کو ایک سیاہ رنگ عطا کر دیا تھا۔رنگ و نسل کا امتیاز مٹ چکا تھا۔

بی باون طیاروں نی اُن کی جسمانی اعضاء ایک دوسری سی الگ کر دیی تھی۔،اُن کی جسمانی اعضاء زمین اور تہہ خانوں میں ہر جگہ پر بکھری ہوئی تھی، بازو کہیں تو ہتھیلیاں کہیں اور تھیں، سر کہیں اور ڈھر کہیں اور پڑی ہوئی تھی۔ جن کی بدن سلامت تھی وہ وقفی وقفی سی تھر تھراتی۔بعض انسانی جسموں میں پٹرول بھر کر آگ دکھائی گئی تھی۔ کھیتوں میں لاشوں کی فصل کٹ چکی تھی، لیکن ان کا کوئی وارث نہ تھا۔ہر جگہ لاشوں کی ڈھیر لگی ہوئی تھی،اسی لیی کسی افغان بچی کی لیی لاش کسی ڈر اور حیرت کا باعث نہ بنتی تھی۔افغانستان پر امریکی حملوں کی رپورٹ دنیا بھر کی اخبارات اور رسائل کی زینت بن رہی تھیں۔ٹی وی سکرین پر امریکی طیاروں کی پرواز کی ویڈیوز کو کیسی بھلایا جا سکتا ہی جن میں معصوم افغانیوں کی لیی موت کی پیغام تھی۔میڈیا پر افغانستان کی صورت کو جس انداز سی دکھایا جا رہا تھا ویسی ہی ''قلعہ جنگی'' میں بیان کیا گیا ہی:

''لیکن ہزاروں برسوں سی کوئی ایک ساعت ایسی بھی گزری تھی جب وہ ایک دوسری کی لیی یکسر اجنبی تھی۔اُن کی چند ہتھیار، سیاہ پگڑیاں، اور جنون بظاہر ایک جیسی تھی لیکن وہ ایک دوسری سی رنگ و نسل، ثقافت اور خصلت میں مختلف تھی، وقت کی وہ ساعت جب وہ ایک دوسری کی لیی اجنبی تھی قندوز کی محاصری کی دوران اُن پر محیط ہوئی تھی وہ امریکیوں سی لڑنی آئی تھی لیکن وہاں اُن کی مدِ مقابل اُنہی کی عقیدی کی باریش لوگ تھی امریکی اوپر ہی اوپر کہیں آسمانوں میں تھی

اور اپنا بوجھ گرا کر چلی جاتی تھی یہ بوجھ پندرہ ہزار پاونڈ وزنی ڈیزی کٹر ہوتی تھی جو عرف عام میں منی ایٹم بم کہلاتی تھی اور اس بوجھ کی بھڑک اور پھٹنی سی پوری پوری پہاڑی سلسلی میدانوں میں بدل جاتی تھی اور اُن کی دامن میں آباد گاوں اور بستیاں لمحوں میں دفن ہو جاتی تھی۔ کلسٹر بم اور بنکر بسٹر بھی وہ بوجھ تھی جو اُن پر گرتی تھی"۔ (۱۱)

ان ہی پائلٹوں کی حماقت کا آغاز پھر عراق میں ہو گیا۔ اس بار امریکی سامراجی میڈیا نی عراق میں خطرناک اور ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ بغداد جو علم و ادب کا سب سی بڑا مرکز تھا کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ برطانوی سامراج نی تو مسلم دنیا کا علم اپنی پاس محفوظ رکھا جن کو دیکھ کر علامہ اقبال کا دل بھی سی پارہ ہوتا لیکن اس بار امریکی سامراج نی ایسی تمام کتابوں کو آنچ میں تبدیل کر دیا۔ اب یہ جلا علمی خزانہ کس کی یادوں میں زندہ رہی گا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں ہزار داستانیں کہی اور سنی جاتی تھیں۔ جہاں کی باغات دنیا بھر میں اپنی جمالیات کا جواب نہیں رکھتی تھی۔ ہلاکو کی نسبت امریکہ نی زیادہ وحشیانہ انداز سی بغداد کو تباہ کیا۔ باغات کی چڑیاں تک زندہ نہ بچیں۔ الف لیلی کا شہر بابل و نینوا کو خون میں نہلا دیا گیا۔ راکھ کا ایک بی انت صحرا تھا۔ جو پائلٹ افغانستان میں آتی تھی وہی اب وکٹری کا نشان بنا کر عراق میں ہود آئی۔ امریکی میڈیا ان پروازوں کو خوب کوریج دی رہا تھا۔ اس کوریج کی اثرات بھی" خس و خاشاک زمانی" کی پلاٹ کا حصہ ہیں:

"سکرین کی سیاہی میں آسمان سی نازل ہوتی کروز میزائلیں اور ڈیزی کٹر دکھائی نہیں دیتی، یوں لگتا ہی کہ وہ تو اُس کی گلی کوچوں اور شاہراہوں کی بنیاد میں مدتوں سی مدفون تھی اور اب کسی سامری کی انتقام کی سحر سی وہ یکدم پھٹنی لگی ہیں۔ بابل کی مینار جو ابھی تک سر بلند اور قائم تھی، اوندھی ہو کر منہدم ہو رہی تھی، اُس کی معلق باغوں کی شجر جڑ سی اکھڑ رہی ہیں اور اُن کی پتی آسمان سی برستی زہریلی آگ کی تاب نہ لا کر راکھ ہو رہی ہیں، بی شک یہ باغ ایک بلندی پر معلق تھی، لیکن اُن سی بھی کہیں بلندی پر وہ عفریت حرکت میں تھی جو فورٹریس، بی باون لانسر کہلاتی تھی اور اُن میں سی ایسی خاموش آگ برستی تھی جو آتش غرور سی کہیں بڑھ کر غضب ناک اور دیوتاوں کو بھی بھسم کر دینی والی تھی۔ اُن متحرک آسمانی عفرتوں ہیں جو سوار تھی، اُنہیں کچھ خبر نہ تھی کہ اُن کی نیچی اُن کی میزائلوں اور بموں کی زرد میں شہر بابل کی مینار اور معلق باغ ہیں کہ اگر اُن کی دو جڑواں مینار ڈھا دئیی گئی تھی تو اُن کی سامنی یہ مینار کیا حثییت رکھتی ہیں اور کیا جانیں کہ یہ معلق باغ کیا ہیں، وہ تو صرف اپنی سنٹرل پارک کو جانتی تھی"۔ (۱۲)

ناول "طاؤس فقط رنگ" کا کردار اسفند اس لحاظ سی خوش قسمت تھا کہ وہ نیویارک کی ایک آفس میں ملازم تھا۔ اسفند اپنی ہونی والی منگیتر نائلہ سی فون پر بات کر رہا ہی۔ اسی دوران ان کو دور سی ایک جہاز آتا دکھائی دیتا ہی جو ہر سیکنڈ قریب سی قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اسفند کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہی۔ جب جہاز بہت قریب آ گیا اور اس کی جہاز ہونی کی خدوخال واضح ہوئی تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا جہاز اس کی دفتر کی کھڑکی کی سمت آ رہا ہی۔ اسفند کی سمجھ

میں نہیں آرہا تھا کہ جہاز یہاں کیسی آسکتا ہی۔ آفس کی اس فلور پر کچھ اور لوگوں نی بھی اس جہاز کو اپنی دفتر کی طرف آتا دیکھا تھا۔ اس سی پہلی کہ یہ سب لوگ سنبھلتی یا اپنی جان کو بچانی کی لئی کچھ کرتی جہاز ایک زور دار دھماکی کی ساتھ عمارت کو ٹورتی ہوئی اس میں جا گھسا۔ اس دھماکی کی آواز نائلہ کو بھی سنائی دی'' یا الٰہی خیر ، یہ کیا ہوا۔ اس کی بعد زمانی بدل گئی:

''ٹی وی پر عجیب و غریب خوفناک منظر دکھائی دی رہا تھا۔ یوں جیسی کسی سائنس فکشن فلم کا سین ہو۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت میں دو بڑی بڑی جہاز یکی بعد دیگری کریش ہو چکی اور ٹاور سی عجیب غریب سا سفید دھواں نکل رہا تھا۔ نائلہ نی ریموٹ ہاتھ میں لی کر چینل بدلنا شروع کر دئیی۔ ہر چینل یہی منظر دکھا رہا تھا۔ نیوز والی بتا رہی تھی کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہو چکا ہی۔ اور دونوں ٹاورز میں سی آگ اور دھواں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ حادثہ کی لائیو کوریج ہو رہی تھی اور مناظر براہ راست ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی''۔ (۱۳)

مغربی میڈیا پر ہر واقعہ کا سرا اُسامہ بن لادن سی جوڑا جاتا۔ اُسامہ بن لادن کی بعد ان کی خبر کا دوسرا بڑا نام جنرل پرویز مشرف ہوتا۔ میڈیا نی یہ دو نام مغربی عوام کی دل و دماغ میں ایسی ثبت کر دیی کہ انگریز مائیں اپنی بچوں کو اُسامہ بن لادن کی نام سی ڈرا کر سلاتیں۔ جنرل پرویز مشرف کا نام انگریز بچوں کی لیی ایک داستانی ہیرو بن گیا۔ جس نی عمر و عیار کی نام سی بھی زیادہ شہرت حاصل کی۔ مغربی میڈیا نی یہ دو نام ہمیشہ کی لیی اپنی عوام کی دل و دماغ میں پیوست کر دیی۔ سرفراز بیگ کا ناول ''پسِ آئینہ'' ان واقعات کا مرقع ہی۔ نیائش خان اپنی کہانی بیان کرتا ہی:

''اس نے ہاتھ کی اشاری سی مجھی کچن کی دیوار پہ لکھا ہوا دکھایا۔ وہاں کئی زبانوں میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ عربی میں بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نی پوچھا یہ کیا لکھا ہوا ہی؟ کہنی لگا کہ میں عربی پڑھ لیتا ہوں لیکن سمجھ نہیں سکتا۔ تو کہنی لگا کہ تم کس ملک کی ہو میں نی کہا پاکستان کہنی لگا کہ مشرف کا کیا حال ہی میں نی کہا مجھی اپنی حال کی خبر نہیں ہی اور تم مشرف کی بات کرتی ہو ۔ میری لیی حیران کن امر یہ تھا کہ اُن لوگوں کو جیسی ہی پتا چلتا کہ کوئی پاکستانی ہی تو اس سی فوراً پوچھتی مشرف کا کیا حال ہی ؟ اُسامہ بن لادن کہاں ہی؟ جیسی پاکستان میں ان دو کی علاوہ اور کوئی نہیں ہے''۔ (۱۴)

سانحہ ۹/۱۱ کی بعد خفیہ ایجنسیوں کا مشکوک افراد کو اٹھا لینا بھی میڈیا کی خبروں کا اکثر حوالہ رہا ہی۔ یونس جاوید کا ناول ''ستونت سنگھ کا کالا دن'' میڈیا پر سنای جانی والی ایسی ہی واقعات کی روداد ہی جس میں دو مرکزی کرداروں اوتار سنگھ اور انور خان کی داستان بیان ہوئی ہی۔ میڈیا کی ایسی خبروں کا اثر اس ناول میں پڑھا جا سکتا ہی۔ ان دوستوں کو فون پر انجانی میں کی گئی غیر ضروری باتوں پر اٹھا لیا جاتا ہے:

''انور خان کو آج نوواں دن تھا جس بڑی دالان کی تاریخی ستون کی زنجیر سی اسی باندھ کر رکھا گیا تھا، وہاں تین فٹ کا ہی فاصلہ تھا جہاں آدمی ہل جل سکتا تھا۔ البتہ اتنی روشنی ضرور تھی کہ ہر چیز دکھائی دی رہی تھی۔ آج دروازہ کھلا تو ایک ایک کر کی بہت سی جلاد نما کڑیل جوان اندر داخل ہو رہی تھی جن کی چہری پتھر کی بی تاثیر، بی رحم، اور بد نما تھی۔ گزشتہ دو دنوں میں انہیں سی ملتی جلتی کئی لوگ اس سی بار بار سوال کر چکی تھی حالانکہ وہ فیصلہ پہلی سنا چکی تھی کہ ''تم ٹیرر سٹ تو ہو۔۔۔ گروہ کون سا ہی؟ لیڈر کون ہی؟ مرکز کہاں ہی؟ یہ سوال وہ ہزار مرتبہ سن چکا تھا۔ انکار کرنی کی دوران تھپڑ بھی کھا چکا تھا مگر یہ سوال اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ہر کسی کی پاس ایک ہی سوالا یک ہی دلیل، ایک ہی طرح کی تھپڑ۔ وہ انکار کرتی اور بار بار کہانی کہتی ہلکان ہو چکا تھا مگر ان کی تسلی نہ ہو رہی تھی۔ اس نی ہر کسی کی سوال کا جواب دیا، اس کی باوجود وہ سوال کیی جا رہی تھی''۔ (۱۵)

سانحہ ۹/۱۱ کی واقع پر لکھنی والی صحافیوں، رپورٹروں اور کیمرہ مین کی اغوا اور قتل کی واقعات بھی دنیا بھر کی میڈیا ہاؤسز کی موضوعات رہی ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کا ناول ''صفر سی ایک تک'' میڈیا کی ایسی ہی موضوع کا احاطہ ناول کی پلاٹ کا حصہ ہی جس میں غیر ملکی افراد اور صحافی کی اغوا کی طرف اشارہ موجود ہی۔ ناول میں ایک فرانسیسی صحافی لڑکی کو اغوا کر لیا جاتا ہی جو اپنی صحافتی ذمہ داریاں کو نبھانی پاکستان آتی ہی۔ یہ اشارہ پاکستان میں اغوا ہونی والی امریکی صحافی ڈینئیل پرل کی طرف بھی ہو سکتا ہے:

''میں واپس اپنی کمپیوٹر پر آتا ہوں اُس کھڑکی کی سامنی جو دنیا پر کھلتی ہی ایک بڑی نیٹ ورک کا ہوم پیج میری سامنی ہی۔ خبروں کی کھڑکی بھی کھلتی ہی۔ دنیا کی تازہ ترین خبریں سامنی ایک ایک لائین میں لکھی ہیں یہ وہ کھڑکی ہی جسی ہر روز شاید میں درجنوں دفعہ دیکھتا ہوں۔ خبر ہی اُن کی باری میں جواب صرف آٹھ رہی گئی تھی۔ ایک لائین کی خبر ابھی صرف اتنا بتا رہی ہی کہ اُن کی باری میں کوئی نئی پیش رفت ہی۔ وہ پیش رفت کیا ہی۔ کیا وہ مکمل خاتمہ ہو سکتی ہی؟ میں نہیں جانتا۔ میرا کانپتا ہاتھ ماوس پر آتا ہی اور میں کرسر کو اُس لنِک پر لی جاتا ہوں۔ انگلی کی ہلکی سی کلِک اور پھر میں جان جاوں گا سب کچھ، میں کلِکر تا ہوں''۔ (۱۶)

سانحہ ۹/۱۱ کی بہت عرصہ بعد ساری دنیا اچانک ایک خبر سی گونج اٹھی۔ یہ خبر ایبٹ آباد میں ایک کمپاونڈ جس میں اُسامہ بن لادن کی موجودگی کا خدشہ ہی، پر امریکی فوج کی کمانڈوز کی خفیہ آپریشن کی باری میں تھی۔ ٹی وی کی اینکر پرسنز اپنا پورا زور لگا کر اس خبر کو اور بھی دہشت ناک بنا رہی تھیں۔ میڈیا کی یہ خبر ایم اختر کی ناول'' ایک لوسٹوری اور ایک ایٹمی قیامت'' کی پلاٹ کا حصہ ہے:

''یہ دو مئی کا دن تھا جب پوری دنیا ایک دھماکہ خیز بریکنگ نیوز سی گونج اٹھی یہ بریکنگ نیوز پاکستان کی پہاڑی شہر ایبٹ آباد، جو وفاقی دارالحکومت اسلام آباد سی چند میل کی فاصلی پر واقع تھا، میں پیش آنی والی ایک واقعی کی باری میں تھی۔

مختلف نیوز چینلز پر نیوز الرٹ کی طور پر نشر ہونی والی اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ امریکی فوج کی کمانڈوز نی ایبٹ آباد کی ایک کمپاونڈ میں ایک خفیہ آپریشن کی دوران القاعدہ کی سربراہ اُسامہ بن لادن کو ہلاک کر دیا تھا۔امریکی نیوی کی کمانڈوز اس کو گرفتار کرنا چاہتی تھی لیکن مزاحمت پر اسامہ بن لادن جاں بحق ہو گیا خبر کی مطابق امریکی کمانڈوز اس کی لاش کو لی کر کامیابی کی ساتھ چاپر زپر واپس اپنی اڈی کو چلی گئی جو افغانستان یا شاید پاکستان میں کہیں واقع تھا۔ خفیہ آپریشن امریکی نیوی کی انتہائی مستعد کمانڈوز نی کیا جو ''نیوی سیل'' کہلاتی تھی۔ یہ بھی اطلاع تھی کہ آپریشن کی دوران کمپاونڈ میں موجود کچھ دیگر لوگ بھی ہلاک ہوئی اور آپریشن میں شریک امریکی کمانڈوز کا ایک چاپر بھی کریش ہوا''۔(۱۷)

سانحہ ۹/۱۱ کا واقعہ اور اس کی نتیجے میں پیدا ہونی والی مسائل جن میں عالمی سیاست میں تبدیلی، جہازوں کا ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت سی ٹکرانی کی ٹی وی سکرین پر منظر نگاری، تیسری دنیا کی مسائل،افغانستان اور عراق پر حملہ، وحشیانہ بمباری، فرقہ پرستی،اغوا،ٹارگٹ کِلنگ، یورپی ملکوں اور معاشروں میں مقیم مسلمانوں سی نفرت انگیز رویی،انسانیت کی تذلیل، غیر یقینی صورتِ حال، آپریشنز، معصوم لوگوں پر وحشیانہ بمباری،اُسامہ کی تلاش اور ایبٹ آباد آپریشن، عالمی میڈیا کی موضوعات رہی ہیں۔ مابعد ۹/۱۱ مذکورہ بالا واقعات کی میڈیا اور ٹی وی سکرین پر منظر کشی معاصر اُردو ناولوں میں بھی کمال درجی کی پُر تاثیر محاکات نگاری کی ساتھ کی گئی ہی۔ ناولوں کی حوالہ جات سی عیاں ہی کہ مابعد ۹/۱۱ معاصر اُردو ناولوں پر عالمی میڈیا اور ٹی وی سکرین کی منظر کشی کی گہری اثرات موجود ہیں۔

# حواشی وحوالہ جات


۱۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص،

۲۔ ایضاً، ص، ۲۱۸، ۲۱۹۔

۳۔ ایضاً

۴۔ عارفہ فرید، پروفیسر، ڈاکٹر، تہذیب کی اس پار: عصر حاضر کی مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کی تناظر میں، کراچی یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص، ۷۷، ۷۸۔

۵۔ مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص، ۴۲۱

۶۔ ارون دھتی رائے، سرمایہ داریت، ریاستی جبر اور مزاحمت، مترجم، امجد نذیر سن، ۲۰۱۲ء، ملتان، ص، ۵۔

۷۔ پرویز مشرف، جنرل (ر) سب سی پہلی پاکستان، فیروز سنز لمیٹیڈ، لاہور، لاہور، سن، ۲۰۰۶ء، ۲۵۳

۸۔ مستنصر حسین، تارڑ، خس وخاشاک زمانے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، سن، ۲۰۱۳ء، ص ۵۱۰

۹۔ ایضاً، ص ۵۰۴

۱۰۔ محسنہ جیلانی، میں دہشت گرد ہوں؟، شہر زاد، کراچی، سن، ۲۰۰۸ء، ص، ۴۱

۱۱۔ مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص، ۵۱، ۵۲۔

۱۲۔ مستنصر حسین، تارڑ، خس وخاشاک زمانے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، سن، ۲۰۱۳ء، ص ۵۷۹

۱۳۔ نیلم احمد بشیر، طاؤس فقط رنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص، ۳۴

۱۴۔ سرفراز بیگ، پسِ آئینہ، مثال پبلشرز، فیصل آباد، سن، ۲۰۱۳ء، ص، ۱۴۶

۱۵۔ یونس جاوید، ستونت سنگھ کا کالا دن، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، سن، ۲۰۱۴، ص، ۲۱

۱۶۔ مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ، لاہور، سن، ۲۰۰۹ء، ص، ۲۴

۱۷۔ ایم اختر، ایک لوسٹوری اور ایک ایٹمی قیامت، فکشن ہاؤس، لاہور، سن، ۲۰۱۴ء، ص، ۳۲